Gohar e tehqeeq گوہر تحقیق
گورنمنٹ صادق کالج ویمن یونیورسٹی بہاول پور
Year 2022; Vol 01 (Issue 01)
P. 40-53 https://journals.gscwu.edu.pk/

وجیہہ خلیل

لیکچرار اردو، گورنمنٹ گریجوایٹ کالج آف کامرس,چونگی نمبر۵، بورے والا

Wajiha Khalil

Lecturer Urdu, Govt. Graduate College of Commerce Burewala

نثار عزیز بٹ کے ناولوں میں نسوانی کردار

Feminine characters in Nisar Aziz Butt's novels

Abstract:

Nisar Aziz Butt was a different and positive thinking writer who wrote her works with a mixture of sincerity, hard work, love and cultural awareness. Feminist rights are the favorite subject of Nisar Aziz Butt. In Nisar Aziz butt novels women breathe in an atmosphere of style, self-control, conflict of tradition and the principle of fidelity. In Nisar Aziz Butt's novels, women are more powerful, intelligent and courageous than men. In her novels, the characters come to the fore for death, annihilation, problems of life and survival, conflict and futility. Realism, satire, class mix and artistic and aesthetic level are the basic elements of the novel and all these elements are seen in Nisar Aziz Butt's novels.

Key Words: Nisar Aziz Butt, Feminist, courageous, powerful, Realism, conflict of tradition, Novel.

ناول اور قدیم داستانوں میں فرق صرف حقیقت نگاری کا ہے۔فنی اعتبار سے ناول میں کسی خاص نقطہ نظر کے تحت زندگی کی حقیقت اور واقعات کو اُجاگر کیا جاتا ہے۔ناول کی ہیئت اور انداز بیان کہانی جیسا ضرور ہوتا ہے مگر مقصدِ تحریر سماج اور

معاشرے کے شعوری اور لاشعوری ماحول پر تنقید اور اصلاح کرنا ہوتا ہے۔ حقیقت پسند اور طنزیہ انداز، طبقاتی آمیزش اور فنی و جمالیاتی سطح وغیرہ ناول کے بنیادی عنصر ہیں۔ اُردو ناول نگاری کی تاریخ کا جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کے مسائل، جبر واستحصال، حقوق اور اصلاح خواتین ہمیشہ سے ادیبوں اور شاعروں کا موضوع رہا ہے اور ان کے جذبات و احساسات کو ہر ادیب اور شعراء نے اپنی تحریروں کے ذریعے پیش کیا ہے۔ خواتین قلم کاروں نے مختلف تخلیقات کے ذریعے ادب میں اپنی شناخت اور مقام قائم کیا ہے۔ نثر میں رشید جہاں سے نثار عزیز بٹ تک ایک طویل فہرست موجود ہے۔ جنہوں نے ایسے لافانی ناول اور کردار پیش کئے ہیں جو اب تک ہمارے ذہن و فکر پر نقش ہیں۔ عورت کو ہمیشہ معاشرے میں حقارت کی نظر سے ہی دیکھا گیا ہے اور آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی یہی رویہ اختیار کیا جاتا ہے۔ نسائیت کا پرچار نثار عزیز بٹ کا پسندیدہ موضوع ہے۔ جس کا اندازہ ان کے ناولوں سے ہوتا ہے۔ نثار عزیز نے اپنے ناولوں کے نام "محبت کا راہی" اور "محبت کی منزل" جیسے نہیں رکھے کیونکہ ان کے ناولوں میں عورت ذہن و دل میں جدت طراز، ضبطِ نفس، روایت کے تصادم اور وفا کے اصول کی فضا میں سانس لیتی ہے۔ ان کے ناولوں میں کردار موت، فنا، زندگی اور بقاء کے مسائل، کشمکش اور لاحاصل کا کرب لیے سامنے آتے ہیں۔

رانا اعجاز حسین لکھتے ہیں "اس بات میں کوئی اشتباہ نہیں کہ محترمہ نثار عزیز بٹ ایک الگ اور مثبت سوچ رکھنے والی لکھاری تھیں، جنہوں نے خلوص، محنت، الفت اور تہذیبی شعور کی آمیزش سے اپنی تخلیقات لکھیں۔"(۱)

نثار عزیز بٹ کا پہلا ناول "نگری نگری پھرا مسافر" ہے۔ جو ایک کرداری ناول ہے۔ نثار عزیز بٹ نے یہ ناول سفر نامے کی صورت میں لکھا ہے۔ جس میں معاشی، نفسیاتی، معاشرتی اور مذہبی مسائل کو موضوع بنایا گیا ہے۔ ناول کا مرکزی کردار "افگار" ہے۔ "افگار" ایک مضبوط کردار کے روپ میں سامنے آتی ہے جو بچپن میں ماں باپ اور نانی کی جدائی کے بعد خاندان کے رحم و کرم پر زندگی گزارتی ہے۔ صبر اور ایثار اس کی بنیادی خوبی ہے یہی خوبی آگے چل کر خاندان میں اس کو اہم مقام دیتی ہے۔ "افگار" نے ہر مشکل، تکلیف اور بیماری کا بہادری اور ہمت سے سامنا کیا ہے۔ اس کی نفسیاتی اور جذباتی طلسم کی بدولت ہی قارئین ناول کے اختتام تک اس سے جُڑے رہتے ہیں۔ اس ناول میں مصنفہ نے جس اہم نقطہ کی طرف

توجہ دلانے کی کوشش کی وہ حالات اور واقعات کا ہمارے ذہن پر اثر ہونا ہے اور ہم جتنی بھی کوشش کر لیں ان حالات کا اثر لیے بغیر نہیں رہتے ہیں۔

بقول ممتاز احمد خان:

”پورے ناول میں کوئی مقام ایسا نہیں جہاں افگار نے زمانے، حالات یا مضبوط سے مضبوط مد مقابل شخصیت کے آگے ہتھیار ڈالے ہوں۔ اس کی نفسیات کی پرت در پرت تہیں وہ طلسم ہے جو اس کی دُکھ بھری زندگی میں جھانکنے پر مجبور کر دیتا ہے۔“

(۲)

نثار عزیز بٹ نے اس ایک کردار میں خود انحصاری، دکھ، درد، خودداری، محرومی و ناامیدی اور حوصلہ مندی کو سمو دیا ہے ۔"نگری نگری پھرا مسافر" میں "افگار" ذہن و قلب دو محاذ پر سفر کرتی ہے۔ "افگار" کے کردار کو مصنفہ نے خیالی و عملی دونوں سطح پر بسنے والا کردار بنایا ہے۔ ناول کے پہلے حصے کے اختتام تک "افگار" ایک آدرشی کردار کے روپ میں اُجاگر ہوتی ہے، بعد ازاں اس کا آدرش یعنی تصورِ خدا میں اپنائیت اور نرمی شامل ہو جاتی ہے۔ وہ خدا سے شکوے بھی کرتی ہے لیکن اس کے شکوے اپنی حدود سے باہر نہیں جاتے ہیں۔ "افگار" نے اسلامی شریعت اور ہندو مت کے فلسفہ تیاگ اور مسیح کے پرچم بھی اُٹھائے ہوئے ہیں۔ تیاگ کا نظریہ "منصور" کی بدولت اس کے ذہن پر چھایا ہے مگر وہ "منصور" کی طرح اپنے آپ کو تیاگتی نہیں ہے۔ اُسے نہ جنت کی خواہش ہے نہ دوزخ کا خوف البتہ وہ ایک آدرشی اور حوصلہ مند لڑکی ہے۔

ڈاکٹر عقیلہ جاوید "افگار" کے بارے میں لکھتی ہیں:

”نگری نگری پھرا مسافر کا کردار ذہنی تجربات کی کئی دنیاؤں سے گزرتا ہے۔ کانٹوں سے اس کے پاؤں لہولہان ہو جاتے ہیں۔ سفر کی تھکاوٹ سے اس کے اعضاء مضمحل ہو کر رہ جاتے ہیں لیکن آدرشی کی دُھن اس کو نہیں بیٹھنے

دیتی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اس کی زندگی میں خوشی کے لمحے
ضرور آتے ہیں مگر جب جاتے ہیں تو اس جنوں خیز مختصر سی بہار کو
سمیٹ کر لے جاتے ہیں۔ مگر ایک چیز ہے جو اس کی داخلی دنیا میں
سے کسی بھی صورت رُخصت نہیں ہوتی اور وہ ہے آدرش، آدرش
کی یہ مشعل خون آلودہ تڑپتے ہوئے جذبات میں بھی زندہ و
تابناک رہتی ہے۔ اور بڑے سے بڑا صدمہ بھی اسے بجھا نہیں
سکتا۔" (۳)

"نگری نگری پھرا مسافر" میں امید، یقین، فراست، مسرت، حقیقت اور تعمیری عوامل کو شناخت دینے کے لیے علامات اور اشارات کا استعمال بھی کیا گیا ہے۔ "افگار" معصوم اور بے حد جذباتی لڑکی ہے۔ جو بیک وقت خاموش اور بے ضرر لڑکی بن کر رہ جاتی ہے تو کبھی شگفتہ، ضدی اور خوش مزاج ہوتی ہے۔ اس کی زندگی میں کئی لڑکے آتے ہیں مگر اس کے آدرش کے سامنے ٹک نہیں پاتے۔ ناول میں "افگار" کا اختتام بھی فنکارانہ نہیں ہوتا قاری ابھی یہی نتیجہ نکالنے ہی والا ہوتا کہ کیا آدرشی "افگار" جو بچپن سے کسی منزل کی تلاش میں بھٹک رہی ہے اُسے منزل ملتی ہے یا نہیں مصنفہ ناول کا اختتام کر دیتی ہے۔ "افگار" اپنی آدرشی کی راہ میں کسی کورکاوٹ نہیں بننے دینا چاہتی تھی۔ اس لیے وہ "منصور" کو "قمر" سے شادی کا کہتی ہے اور اس وقت "افگار" اپنے جذبات پر مکمل قابو بھی پا لیتی ہے۔

"مصمم ارادے سے اس نے کہا "دیکھیے نا منصور بھائی۔۔۔۔ میں
نے اپنی زندگی، خدا کی راہ میں وقف کر دی ہے۔ مجھے اب اس پر
کوئی اختیار نہیں رہا۔" ایک نظر اس نے منصور کو
دیکھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ یہ قدرت کا عجب مذاق تھا کہ جس شخص کو
اپنی پہنچ سے باہر دیکھ کر وہ اپنے آپ کو محبت اور زندگی کی عام

راہوں سے اتنی دور لے گئی تھی، وہی اس کی واپسی کا خواہاں تھا اور
واپس آنا اس کے لیے اتنا مشکل ہو گیا تھا۔"(۴)

"نے چراغ نے گُلے" ناول اُردو ادب کے سرمائے میں ایک قیمتی اور بہترین اضافہ ہے۔ تکنیک اور موضوع دونوں لحاظ سے عمدہ ناول ہے۔ اس ناول میں کہانی، اسلوب اور کردار سب کو چابکدستی اور روشن خیالی سے برتا گیا ہے۔ ناول میں کرداروں کی بھرمار ہے، جو اپنے اپنے وقت پر کہانی میں آتے ہیں ہنستے، ہنساتے، رُلاتے اور محبت و نفرت کر کے منظر سے غائب ہو جاتے ہیں۔ ناول کا پس منظر ہندوستان کے سماجی، سیاسی اور معاشرتی ماحول کی عکاسی ہے۔ نثار عزیز بٹ نے اس ناول کو لکھنے کے لیے نہ صرف بہت پڑھا بلکہ کئی علاقوں کے سفر بھی کیے ہیں۔ ناول کا اختتام ڈرامائی انداز میں کیا گیا ہے۔ اس ناول کے اہم نسائی کرداروں میں "جمال افروز"، "پدمنی"، "خانم"، "سارہ"، "عالیہ" ہیں۔

ناول کا آغاز "جمال افروز" سے ہوتا ہے۔ جو ناول کا پہلا مرکزی کردار ہے۔ "جمال افروز" سیدھی سادی اور عام سی لڑکی ہے۔ اس کی وفات سے پہلے تک وہ ناول کی ہیروئن ہے۔ "جمال افروز" کا تعلق ایک روایتی گھرانے سے ہے جہاں کم عمری میں ہی لڑکیوں کی شادی کر دی جاتی ہے۔ دوسری طرف "من موہن" جو جمال افروز سے محبت کرتا ہے جمال افروز کی شادی کے بعد بھی وہ اس کی محبت میں گرفتار رہتا ہے لیکن جمال افروز اپنے خاندان کی عزت کو پامال نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس لیے "من موہن" جب بھی اس کے قریب آنے لگتا ہے وہ اس کو جھٹک دیتی ہے۔ "من موہن" کی تڑپ اور بے حد خلوص و پیار کو بھی نظر انداز کر دیتی ہے۔ کم عمری میں شادی کے حوالے سے جو خدشات ایک لڑکی کے ذہن میں پیدا ہوتے ہیں۔ ان سب کیفیات سے "جمال افروز" بھی گزرتی ہے۔ جس کا ذکر وہ اپنی سہیلی "پدمنی" سے کرتی ہے۔

"پدمنی نے کہا یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ کیا تم نے اپنے ہونے والے پتی
کا کبھی نہیں سوچا؟"۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔"اس سے تو مجھے ڈر لگتا
ہے "روزا" نے بے ساختگی سے کہا۔"ڈر؟" پدمنی نے حیرت سے
پوچھا۔"ہاں ڈر رات کو میری آنکھ کھل جاتی ہے تو پھر دیر تک ڈر
سے نیند نہیں آتی۔"(۵)

"پدمنی" ناول کا دوسرا اہم مرکزی کردار ہے۔ جس میں کئی خوبیاں اور خامیاں موجود ہیں۔ "پدمنی" کے کردار کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا اس کے جذبات اور محبت پر مبنی ہے جبکہ دوسرا حصہ بہتر زندگی، سرکاری ملازمت کا خواب اور سیاسی سوچ سے متعلق ہے۔ "پدمنی" کی زندگی میں دو لڑکے آتے ہیں۔ اس کا پہلا شعوری اور ذہنی وابستگی کا رشتہ "منوہر" سے ہے۔ "منوہر" اس سے کوئی خاص قرابت نہیں رکھتا ہے کچھ خاندان والے بھی ان دونوں کے رشتے کو اہمیت نہیں دیتے ہیں۔ جس کا پدمنی کی شخصیت پر اثر ہوتا ہے اور وہ سکون کی تلاش میں کانگرس کی تحریک میں شامل ہو جاتی ہے اور آزادی حق کی خاطر جیل بھی جاتی ہے۔ جیل سے واپس آکر مہاتما گاندھی کے آشرم میں پناہ لیتی ہے۔ یہ سب وہ صرف "منوہر" کی طرف سے ملے دُھوکے اور ذہنی سکون کی خاطر کرتی ہے مگر پھر بھی اسے سکون میسر نہیں آتا بلکہ اسے یہ سکون اور محبت "منیر" سے ملتا ہے۔

"پدمنی" کا دوسرا عشق "منیر" ہے جو مسلمان ہے اور اس کے بھائی کا دوست ہے۔ پہلی محبت کی ناکامی اور منیر سے ذہنی وابستگی اس کو بغاوت کرنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ پدمنی نہ صرف گھر بار چھوڑتی ہے بلکہ اپنا مذہب بھی بدل لیتی ہے۔ پدمنی کے گھر والوں نے اسے منیر کی وجہ سے چھوڑ دیا تھا مگر اسے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کہ کوئی اس کے ساتھ ہے یا نہیں کیونکہ وہ برسوں سے جس تنہائی اور کرب سے گزر رہی تھی اب اسے اس سے نجات مل گئی تھی۔ پدمنی نے اپنی سادگی منیر کی وجہ سے اُتار پھینکی تھی۔ اس کی ذہنی اور جسمانی کیفیت اس اقتباس سے صاف نظر آتی ہے۔ اُس نے اپنا سب کچھ منیر کو سونپ دیا تھا اور مسلمان ہو کر "شکیلہ" نام پا کر منوہر سمیت پدمنی نے اپنی پُرانی سب یادیں زندگی سے نکال پھینکی تھیں۔ ناول میں پدمنی بھرپور لڑکی کے روپ میں سامنے آتی ہے۔

> ”منوہر کی جھلک منیر میں دیکھی اور دوسری طرف مسلمان ہو کر شکیلہ نام پا کر منوہر سمیت اپنی گزشتہ زندگی کا آکٹوپس اپنی گردن سے کاٹ کر پھینک دیا۔“

(نئے چراغ نئے گُلے، ص۴۸۹)

"سارہ" جمال افروز کی بیٹی ہے اور ناول میں ضمنی کردار ہے۔ جو ناول میں کسی حد تک مضبوط کردار بھی ہے۔ افروز کی وفات کے بعد ضیاءاللہ اور بچوں کو کئی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ سارہ کو بھی پڑھنے لکھنے میں بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا لیکن اس کے باوجود وہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرتی ہے۔ "سارہ" کا کردار نثار عزیز بٹ کا اپنا ذاتی کردار معلوم ہوتا ہے۔ افروز کی وفات پر جو کیفیت سارہ کی ہوتی ہے وہی "نثار عزیز بٹ" کی تھی جس کا ذکر ان کی آپ بیتی میں بھی ملتا ہے۔ "سارہ" فرسودہ نظام اور معاشرے کی بے جا رسم و رواج کے خلاف جنگ بھی کرتی ہے سارہ چاہتی ہے کہ وہ اس قدامت پسند معاشرے میں کسی نہ کسی طرح تبدیلی لے کر آئے۔ سارہ اپنے مقصد میں کسی حد تک کامیاب بھی ہو جاتی ہے۔ سارہ نے اپنی زندگی میں آنے والی تمام مشکلات کا ہمت اور بہادری سے مقابلہ کیا ہے۔ سارہ بہادر اور خود مختار لڑکی ہے۔ سارہ قنوطی، رنجیدہ اور اپنی اندرونی دنیا میں غرق رہنے والی لڑکی ہے۔ اسی وجہ سے وہ ملکی سیاست کو بھی ذاتی انداز میں دیکھتی ہے۔

> "قبائلی، انگریز سے لڑنے کے علاوہ برطانوی علاقوں پر بھی حملہ کرتے رہتے اور ہندوؤں کو لوٹ مار اور اغواء کا نشانہ بناتے۔ ایسے میں سارہ کے دل میں ایک قسم کا جذبہ تحفظ ان کے لئے پیدا ہوتا۔ کچھ ضیاءاللہ کی ویدانت اور تصوف کا بھی اثر تھا۔ پچھلے دنوں سارہ نے شیعہ لڑکیوں کو سیاہ چادر کی اقلیت میں دیکھا تو ان کی اخلاقی مدد کو فوراً سیاہ قمیض پہننے لگی۔"
>
> (نے چراغ نے گُلے، ص ۵۷۴،۵۷۳)

اس اقتباس سے "سارہ " کے اندر موجود احساس اور ہر ایک انسان کے لیے جو کسی بھی مذہب اور علاقے سے تعلق رکھتا ہو ہمدردی اور فکر نظر آتی ہے۔ سارہ بے خوف اور نڈر لڑکی تھی۔ وہ "جمال افروز" سے بالکل مختلف تھی۔ اس میں وقت کے ساتھ تلخ مزاج بھی آ گیا۔ جو معاشرے کی فرسودہ حالات کی وجہ سے اس میں پیدا ہوا تھا۔

ناول میں "خانم" جمال افروز کی ماں ہے، جو سخت مزاج اور بے رحم ہے۔ خانم ٹھوس اور توانا کردار ہے جو گھریلو سیاست سے تعلق رکھتی ہے خانم ایک حقیقت پسند عورت ہے۔ خانم بے باک نڈر اور دلیر عورت ہے۔ جو نہ ہی کسی سے دبتی ہے

اور نہ ہی کسی کے آگے سر جھکاتی ہے۔ خانم جہاں سخت مزاج اور جابر عورت ہے وہیں ایک بے رحم ماں بھی ہے۔ خانم ایک حقیقی ماں کے روپ میں سامنے نہیں آتی۔ جب "جمال افروز" بیمار ہوتی ہے تو اس کی ماں اس کے لئے دعا کرنے کے بجائے گھر کی چیزوں پر قبضہ کرنے میں لگ جاتی ہے۔ اسے اپنی جوان بیٹی اور اس کے بچوں کی کوئی فکر نہیں ہے بلکہ اسے اس بات کا خدشہ ہے کہ افروز کے مرنے کے بعد کہیں اس کا جہیز اور گھر پر کسی عورت کا قبضہ نہ ہو جائے۔

> "آنسوؤں کا طوفان کم ہوا تو خانم نے گھر گھوم پھر کر دیکھا۔۔۔۔۔۔۔۔خانم کے معیار کی صفائی اور ترتیب کہیں نظر نہ آ رہی تھی۔۔۔۔۔۔۔۔اسے معلوم نہ تھا کہ خانم نے جب بہن کو برقعہ دیا۔"تو کہا۔ غیر عورت کے ہاتھ جو یہ برقعہ پڑے تو میری غریب بہن کیوں نہ پہنے۔ اپنا پرانا برقعہ یہاں رکھ دو تاکہ ضیاء اللہ کو پتہ نہ چلے کہ برقعہ کسی نے لے لیا۔"

(نے چراغ نے گُلے، ص ۴۶۴،۴۶۷)

"عالیہ" گرلز کالج میں پروفیسر ہے ۔"عالیہ" تاریخ، سیاست اور اشتراکیت جیسے موضوعات پر بحث کرتی نظر آتی ہے۔ عالیہ ایک پُر امید کردار ہے۔ اس کے نزدیک امید اور جدوجہد ہی زندگی کا نام ہے۔ امید سے ہی زندگی ہے اگر انسان کے اندر سے یہ امید ہی ختم ہو جائے گی تو وہ کبھی کچھ نہیں کر سکے گا بلکہ اس کے لیے وہ دن قیامت سے کم نہ ہو گا۔ جب انسان کی زندگی سے امید ختم ہو جاتی ہے تو وہ شکست سے دوچار ہوتا ہے۔ انسان اپنی زندگی میں اس وقت ہی کامیاب ہو گا جب اس کے اندر کچھ جذبہ ہو گا اور یہ جذبہ امید سے ہی برقرار رہتا ہے۔ عالیہ بھی اسی نظریے کی قائل ہے کہ امید سے ہی زندگی اور دنیا قائم ہے۔ انسان کی فطرت قدرت کے تمام نظام سے ہم آہنگ ہے۔ عالیہ "خورشید" سے انسانی فطرت پر اپنے نظریات یوں بیان کرتی ہے۔:

> "عالیہ بھی شکست کھانے پر ہرگز آمادہ نہ ہوتی۔۔۔۔۔۔۔۔۔
> ۔۔بڑی مچھلی جب چھوٹی مچھلی کا شکار کرتی ہے تو صرف ایک وقت کا

کھانا تلاش کر رہی ہوتی ہے۔ چھوٹی مچھلی تیزی سے حرکت کر سکتی
ہے۔اس لئے برابر کا امکان ہے کہ وہ پکڑی جائے یا فرار ہو
جائے۔یہی اصول سارے جانوروں پر صادق آتا ہے۔یہ صرف
انسان ہے جو نہ صرف ایک وقت کا کھانا اپنے لیے مہیا کرنا چاہتا ہے
بلکہ کل اور کل اور کل کے لیے بھی بلکہ اپنی تین پشتوں تک کے
لیے سارے لوازمات مہیا کرنا چاہتا ہے۔اس قسم کا لالچ آپ کو اور
کسی جاندار میں نہیں ملے گا اور اس قسم کی بے غرضی بھی تمہیں
کہیں اور نہ ملے گی۔"

(نَے چراغ نَے گُلے، ص ۵۸۲،۵۸۳)

"نثار عزیز بٹ" کے ناولوں میں عورت مرد کے مقابلے میں توانا، ذہین اور جرات پسند ہے۔دراصل ان کے ناول کا مرکزی کردار ہی "عورت" ہے۔نثار عزیز بٹ کی تحریر "کاروانِ وجود" نسائیت کے موضوع پر بہترین ناول ہے۔اس ناول کے مرکزی کردار "ثمر" اور "سارہ" ہیں۔

مرزا ادیب اس ناول کے بارے میں اپنی رائے دیتے ہیں کہ:-

"کاروانِ وجود میں جو روداد ملتی ہے۔وہ جذباتی نہیں، استدلالی ہے
جس میں تعلق کارفرما ہے۔جس میں عقلی بھرپوریت ہے جو اپنی
کارگزاری کے لیے منطقی جواز بھی پیش کر سکتی ہے۔"(۲)

"سارہ" ناول میں عورت پر ظلم و ستم کا پرچار کرتی نظر آتی ہے۔سارہ اپنی دوست "شکیلہ" سے مرد اور عورت کے درمیان اس معاشی و معاشرتی فرق پر تلخ انداز میں گفتگو کرتی ہے کہ انسانوں کی دنیا میں ہی عورت پر ظلم کئے جاتے ہیں جانوروں کی دنیا میں ایسا کچھ نہیں ہوتا ہے۔انسان کی اس خوبصورت دنیا میں ساری مشکلات اور تکلیف صرف عورت کے

مقدر میں خود انسانوں نے ہی لکھی ہیں۔ ناول میں "سارہ" کے ذریعے "نثار عزیز بٹ" ایسے انسانوں کو جانور سے بھی کم تر درجہ دیتی ہیں جو عورت پر جبر کرتے ہیں اور انہیں ان کے حق سے محروم رکھتے ہیں۔:

"سارہ نے کہا: عجیب صورتحال ہے، سارہ گہری سوچ میں ڈوب گئی"، پھر کہا" لیکن یہ صرف انسانوں کی دنیا میں ہی ہے۔ جانوروں کی دنیا میں تو، کبھی مادہ کو غیر محفوظ، محتاج یا شرمندہ نہیں دیکھا، کیا انسانوں کی دنیا میں عورت کی مصیبت مرد سے زیادہ ہے؟ "

(۷)

انسان اور جانور کی دنیا میں فرق صرف یہی ہے کہ جانوروں کی دنیا میں ایک مادہ اپنی اور اپنے بچوں کی حفاظت کبھی اکیلے، کبھی "نر" کے ساتھ مل کر کرتی ہے اور "مادہ" اگر اکیلے بچے سنبھالتی ہے تو اس پر کوئی دوسرا جانور طنز یا غلط الفاظ نہیں کہتا اور نہ ہی بری نظر سے دیکھتا ہے۔ قبائلی معاشرے میں نسائیت کو بُری طرح دبایا گیا ہے یہاں ان کی زندگی سنگلاخ ہوتی ہے اور تیر و تفنگ کے گرد گھومتی ہے بلکہ عورت کے معاملے میں تو مشرقی وسطی قبائلی علاقے ہوں یا امریکہ جیسے ملک کے آزادانہ سوچ رکھنے والے مرد سب ہی ظالم اور ستم گر نظر آتے ہیں۔ "سارہ "اس معاشرے پر اور مردوں پر طنز کرتے ہوئے ان کی سوچوں پر ہنستی ہے۔ وہ اس جاہل معاشرے پر عورت کی آزادی پر بھی بات کرتی ہے کہ کاش لوگ عورت کو قید کرنا بند کر دیں، مرد اسے اپنے پاؤں کی زنجیر بنا کر اپنی مرضی کے مطابق گھسیٹتے نہ پھریں اور عورت کو اس کا حق اور معاشرے میں برابری اور پُرسکون زندگی میسر ہو جہاں وہ کم سے کم تہذیب کے دائرے میں رہ کر کُھل کر سانس لے سکے۔

"سارہ نے بڑی آرزو سے کہا" کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ لوگ ایک دوسرے کو قید نہ کریں؟ مرد، عورت کا جیلر نہ ہو؟--------- --جہاں بچے والدین کے یرغمال نہ

ہوں؟ جہاں برابری اور آزادی اور انصاف ہو؟اور سبھی کُھل کر سانس لے سکیں۔"

(کاروانِ وجود، ص ۸۰۶)

اس ناول میں "سارہ ضیاء" کا کردار "ثمر صالح" کی نسبت زیادہ متحرک اور جاندار ہے۔ناول کا زیادہ تر حصہ "سارہ ضیاء" کے ارد گرد ہی گھومتا ہے۔مصنفہ نے ادبی، علمی اور فلسفیانہ بحثوں کا کام "سارہ" کے ذمے لگایا ہے۔ سارہ ایک سادہ اور سمجھدار لڑکی ہے۔جو گھر کے کام کرتی ہے، لائبریری میں کتابوں کا مطالعہ کرتی ہے اور جدید علم و ادب سے بھی ہر وقت آگاہ رہتی ہے۔اسی وجہ سے وہ تانیثیت پر بحث بھی زور و شور سے طنز کے ساتھ کرتی ہے۔

ناول میں دوسرا مرکزی اور اہم کردار "ثمر صالح" کا ہے، لیکن یہ "سارہ ضیاء" کے مقابلے میں زیادہ جاندار کردار نہیں ہے۔ثمر صالح ناول "نگری نگری پھرا مسافر" کے کردار "افگار" کا عکس ہے۔افگار اور ثمر میں ایک فرق یہ ہے کہ "افگار "عینیت اور خود پسندی کا شکار ہے جبکہ "ثمر "خود کو کائنات کے مقابلے پر رکھ کر ہر وقت سوچوں میں گُم رہتی ہے۔ ناول کے شروع میں ہی "ثمر "ہر چیز سے بے گانی بس اپنی دنیا میں مگن رہتی ہے۔ ثمر پر ہر وقت سوچوں کا الاؤ جلتا رہتا تھا، وہ بعض اوقات تو خود فرد گی کا شکار نظر آتی ہے۔اس کو کبھی سمجھ نہیں آتا کہ وہ زندگی سے کیا چاہتی ہے یا اس کے وجود کا آخر مقصد کیا ہے؟ وہ کیوں پیدا ہوئی یا وہ اپنے وجود سے کیا حاصل کرنا چاہتی ہے؟ یہی سب باتیں نہ صرف اس کو بلکہ اس کے گھر والوں کو بھی پریشان کرتی ہیں۔"ثمر "اکثر اپنے وجود سے ہی گھبرا جاتی اور گلہ کرتی رہتی تھی۔دراصل وہ سمجھتی تھی کہ اس کا صرف اس کی روح سے تعلق ہے اور جسم سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ثمر صالح بیک وقت تعمیر و تخریب، وابستگی اور فشار کی زد اور برابر عدم وجود کے درمیان خود کو جھولتا محسوس کرتی ہے۔ نثار عزیز بٹ "ثمر" کے اس وجودی پن کے بارے میں ناول میں لکھتی ہیں کہ:۔

"اگر یہ زندہ متحرک لوگ اس کے آس پاس زندگی بالکل نارمل انداز سے نہ جی رہے ہوتے تو وہ، ثمر کیا ہو گی؟ ایک ہیولیٰ، ایک

روح، ایک سایہ، جو کتاب ہاتھ سے رکھتے ہی بے وجود ہو جایا
کرے گی۔"

(کاروانِ

وجود، ص ۶۴۱)

ثمر جو ابتداء سے ہی ایک وجودی پن اور آدرشی رنگ لیے ہوئے تھی "شیل" سے مل کر یہ رنگ اس پر سے اُتر جاتا ہے۔ ثمر اور شیل کے مابین یہ جنسی کشش ایک موثر اور بے پناہ محسوسات کی کڑی ہے۔ جو ان دونوں کو ایک دوسرے کی طرف کھینچتی ہے۔ ثمر بھی اپنے آدرشی نظریات سے جلد ہی آزاد ہو جاتی ہے۔ اور یہ جبلتیں اس قدر تیز ہو گئیں تھیں کہ یہ احساس اس کو رضاء (سارہ کا شوہر) کے لیے بھی محسوس ہونے لگتی ہیں دوسری طرف رضاء بھی ثمر پر ڈورے ڈالنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتا تھا، "شیل" کی تازہ یادیں اور جنسی جبلت نے ثمر کو رضاء کے آگے جھکا دیا۔ ثمر کے آدرشی دائرے سے باہر آتے ہی اُس نے اپنی سہیلی کی محبت، یقین اور رضاء نے وفادار بیوی کو دھوکا دیا جس کی سارہ کو برسوں خبر نہ ہو سکی۔

ثمر کی یہ فطری اور جنسی جبلت امریکہ سے واپس آکر ایسی کھلی کہ سب کی زندگیاں تباہ ہو گئیں۔ وہ جانتی تھی ایک دن اس رشتے سے بے زار ہو جائے گی اسی وجہ سے شادی سے پہلے رضاء سے اس نے کہا وہ جب چاہے گی اسے چھوڑ کر چلی جائے گی اور وہ اسے روکنے کا پابند نہ ہو گا۔ اسے اپنی غلطی کا جلد ہی احساس ہو گیا اور وہ چند روز اسی الجھن میں رہی کہ کیا کرے اور ثمر اچانک رضاء سے ملے بغیر ملک سے باہر چلی گئی اور طلاق کا معاملہ "سلمان" کے سپرد کر گئی۔ ثمر صالح اس ناول کا مرکزی کردار ہے۔ جو روایتی ہیروئن سے ذرا الگ ہے۔ ثمر کے بغیر اس ناول کا کوئی وجود نہیں ہے کیونکہ ثمر ایسا کردار ہے جس کو پڑھنے والا آخر تک متجسس رہتا ہے اور خود سے ثمر کے بارے میں کچھ نئی بات کا اندازہ لگتا ہے۔ نثار عزیز بٹ نے ثمر کے ذہنی اور مختلف جذباتی میلانات اور ان کے برتاؤ کو پیش کیا ہے۔

ناول میں ایک ضمنی کردار "شکیلہ " ہے۔ جو اس لیے اہم ہے کہ وہ تانیثیت کا پرچار کرتی نظر آتی ہے۔ شکیلہ "سارہ" کی گہری دوست ہے۔ شکیلہ ناول میں زیادہ موثر اور اہم نقطوں کے حوالے سے زیادہ واضح کردار ہے۔ شکیلہ تانیثیت کے

موضوع پر سارہ ضیاء سے بحث بھی کرتی نظر آتی ہے یعنی شکیلہ ناول کے بحران میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔شکیلہ معاشرے پر طنز بھی کرتی ہے اور کہتی ہے کہ عورت جتنی چاہے محنت کرے لیکن اس کو کبھی صلہ نہیں ملتا ہے۔شکیلہ کا تعلق سرحد کے قبائلی علاقے سے ہے اس نے عورت پر ظلم اور ناانصافی کو قریب سے دیکھا اور محسوس بھی کیا ہے وہ اپنے علاقے کے مردوں کو مردانیت پرست کہتی ہے۔ایک روز سارہ سے کہتی ہے

> ”میری زندگی کا آغاز ہی خود نفرتی سے ہوا ہے۔بالآخر میں سرحد کے قبائلی، مردانیت پرست ماحول میں پلی ہوں۔جہاں ہر طرح کی نسائیت کو حقارت سے دیکھا جاتا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔شکیلہ نے کہا"مرد کے لئے محنت کا صلہ ہے لیکن عورت کو اپنی محنت کا صلہ نہیں ملتا ہے۔عورت کی محنت بے صلہ ہے۔میاں اور سسرال والوں کی خوشنودی حاصل کرے اور بڑھی ہو جائے تو دنیا کے رحم و کرم پر رہ جائے۔اس کی محنت بے صلہ ہے۔“

(کاروانِ وجود، ص۸۳)

سارہ ضیاء کی طرح شکیلہ بھی نسائیت کا پرچار ضرور کرتی ہے لیکن اس کے اندر وہ تلخ اور والہانہ انداز نہیں ہے جو ہمیں سارہ کے یہاں نظر آتا ہے۔شکیلہ کسی موڑ پر اپنی مظلومیت کو مقدر سمجھ لیتی ہے کیونکہ اس کے نزدیک اگر عورت گھرداری نہیں دیکھے گی اور مرد کا مقابلہ کرے گی تو وہ اپنے گھر سے ہاتھ دھو بیٹھے گی اور پھر دنیا میں اس کا کوئی ٹھکانہ نہیں جہاں وہ جا سکے۔

> ”ہم عورت پنے میں قید ہیں۔گھرداری کے جھمیلے سے کیا نکلیں گے اور نکلے بھی تو کہاں جائیں گے۔۔۔۔۔۔بچے انسان ہوتے ہیں۔کسی کی جائیداد نہیں بن سکتے پھر ان کو اپنے گھر بسانے ہوتے ہیں۔شکیلہ نے کہا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔شوہر غریب ہو یا رئیس عورت پر

اس کی خدمت واجب ہے۔۔۔۔۔۔۔مرد اپنی زندگی کی سمت خود
متعین کرتا ہے جبکہ عورت کے لئے یہ ممکن نہیں۔"

(کاروانِ وجود، ص ۸۰۲، ۸۰۴)

نثار صاحبہ جدید دور کے منفرد ناول نگاروں میں شمار ہوتی ہیں۔ انہیں ادب کے سنجیدہ قارئین نے ہمیشہ سراہا ہے۔ ادب میں ان کی اہمیت، مقام اور تصانیف کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ نثار عزیز بٹ گوشہ نشین مصنف ہیں۔ جو کبھی سستی شہرت پر اعتماد نہیں کرتیں تھیں۔ ان کی زندگی کا واحد مقصد لکھنا اور پڑھنا رہا ہے اور انہوں نے اپنے احساسات، مشاہدات اور تجربات کو بہ احسن طریقے سے قلمبند کیا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ رانا اعجاز حسین، "منفرد اسلوب کی ناول نگار محترمہ نثار عزیز بٹ"، روزنامہ پاکستان، ۹ فروری ۲۰۲۰ء

۲۔ ممتاز احمد خان، "اُردو ناول کے بدلتے تناظر تین ناولوں کا مثلث، آدرش کی اسیری اور نثار عزیز بٹ"، مشمولہ: کاروان خیال وجمال، حمیرا خلیق، ڈاکٹر، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۸۶

۳۔ عقیلہ جاوید، ڈاکٹر، "نثار عزیز بٹ کے نالوں میں نسوانی کردار"، مشمولہ: کاروان خیال و جمال، حمیرا خلیق، ڈاکٹر، ص ۹۶

۴۔ نثار عزیز بٹ، "نگری نگری پھرا مسافر"، مکتبہ اُردو لاہور، ۱۹۵۵ء، ص ۵۰

۵۔ نثار عزیز بٹ، "نَے چراغ نَے گُلے"، مشمولہ: مجموعہ نثار عزیز بٹ، نیاز احمد، سنگ میل پبلیکیشنز لاہور، ۲۰۰۹ء، ص ۵۰

۶۔ مرزا ادیب، "کاروان وجود"، مشمولہ: کاروان خیال و جمال، حمیرا خلیق، ڈاکٹر، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۱۷۱

۷۔ نثار عزیز بٹ، "کاروانِ وجود"، مشمولہ: مجموعہ نثار عزیز بٹ، نیاز احمد، سنگ میل پبلیکشنز لاہور، ۲۰۰۹ء، ص ۸۰۳